حق چار یار
رضی اللہ تعالیٰ اجمعین

سیفِ اسلام کا حصّہ اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسالہ فروعِ دین کے مسائل پر تبصرہ

مسئلہ ۱ غسلِ رجلین

نماز کے لیے وضو ضروری ہے۔ اگر وضو ہی صحیح نہ ہو تو نماز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ نماز سے قبل ہم طریقہ وضو کی تحقیق کریں اور دیکھیں کہ کس مذہب کا طریقہ کتاب و سنّت کے مطابق ہے۔ دُنیا بھر کے مسلمان اور اہلِ سنّت و جماعت وضو میں پاؤں دھونا فرض جانتے اور مانتے ہیں اور ترتیب قرآنی کے مطابق سب سے آخر میں پاؤں دھوتے ہیں "مسلمان" کے بجائے نام نہاد "مومن" کہلانے پر فخر کرنے والے شیعہ فرقہ کے لوگ پہلے پاؤں دھولیتے ہیں۔ پھر وضو مکمل کر کے پاؤں پر مسح واجب جانتے ہیں۔

ترتیب اور طریقہ وضو کے متعلق سورۃ مائدہ کی آیت ہٰذا نصِ قطعی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَیۡدِیَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَی الۡكَعۡبَیۡنِ۔ (پ ۶، ع ۶)

اے ایمان والو جب نماز کے لیے اٹھو اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں سمیت دھوؤ۔

دنیا بھر کے مطبوعہ قرآن کریم کے سب نسخوں میں وَاَرۡجُلَكُمۡ میں لام پر زبر ہے اور اس کا عطف و تعلق منہ اور ہاتھوں کے ساتھ ہے معنیٰ یہ ہے کہ تم وضو میں اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت اور پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ یہ اِلٰی تک کی حد بندی دھونے کے مطلب کو ہی یقینی بتاتی ہے کیونکہ قرآن میں مسح کے لیے حد بندی سر میں بھی نہیں ہے اور تیمم میں جو ہاتھ اور منہ کے مسح کا ذکر ہے اس میں بھی حد بندی نہیں ہے۔ فامسحوا بوجوھکم وایدیکم نیز الی الکعبین

پر مسح کی صورت میں عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ٹخنے پاؤں کے دونوں کناروں پر ہیں شیعہ مسح پاؤں کے ظاہر پر کرتے ہیں اور ہاتھ کو ساق تک کھینچتے ہیں جب کہ ٹخنے مسح کے راستے میں آتے ہی نہیں پھر تو الیٰ الکعبین کے بجائے الی الساقین ہونا چاہیئے تھا۔ معلوم ہوا کہ ٹخنوں تک دھونا ہی ضروری اور مطلوب ہے کیونکہ پاؤں دونوں طرف سے دھو کر حد بندی کی جاتی ہے۔ یہی مطلب اور پاؤں دھونے کا حکم صاحب قرآن شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا اور بیان کیا ہے۔

کتب اہل سنت سے نبوی طریقہ وضو یہ ہے:

۱۔ عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے تو انھوں نے پانی منگوایا اور ہاتھوں پر ڈالا تو دو دو مرتبہ ہاتھ دھوئے پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر تین دفعہ چہرہ دھویا۔ پھر دو دو مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح دو ہاتھوں سے کیا کہ ان کو آگے سے پیچھے کو لے گئے یعنی سر کے آگے سے شروع کیا پھر گدی تک لے گئے پھر ان کو واپس اسی جگہ تک لائے جہاں سے مسح شروع کیا تھا ثم غسل رجلیہ۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے۔

(رواہ مالک، نسائی ص۲۸ ج۱ وابوداؤد ص۱۶ ج۱)

۲۔ بخاری ص۳۱ ج۱ ومسلم ص۱۲۳ ج۱ کی اسی حدیث میں ہے:

ثم غسل رجلیہ إلی الکعبین ثم قال ھٰکذا کان وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ آپؐ نے دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا وضو اسی طرح تھا۔

۳۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا تو آگے پیچھے ایک دفعہ دونوں ہاتھ پھیرے ثم غسل رجلیہ الی الکعبین۔ پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ (بخاری ص۳۱ ج۱)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کچھ لوگوں نے عصر کے وقت جلدی میں وضو کیا تھا۔ ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: ویل

للاعقاب من النار اسبغو الوضوء۔ ایسی ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ اور تباہی ہے۔ وضو مکمل کیا کرو۔ (مسلم ص ۱۲۴ ج ۱)

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وضو کرو تو ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں سے پانی گزارو۔ (ترمذی ص ۲۴ ج ۱، ابن ماجہ ص ۳۵)

۶۔ حضرت مستورد بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ پاؤں کی انگلیوں کو بائیں چھنگلیا سے ملتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۳۵، ترمذی ص ۲۵ ج ۱، ابوداؤد ص ۲۰ ج ۱)

۷۔ حضرت ابوحیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو خوب دھو کر صاف کیا۔ پھر تین دفعہ کلی کی اور تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا، چہرہ تین دفعہ دھویا اور بازو بھی تین دفعہ دھوئے، سر کا مسح ایک دفعہ کیا ثم غسل قدمیه الی الکعبین پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے پھر کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا۔ پھر فرمایا یہ مجھے پسند لگا کہ میں تم کو دکھلاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے۔ (ترمذی ص ۲۵ ج ۱، نسائی ص ۲۵ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۴۶،۴۵، ابن ماجہ ص ۳۶)

غسل رجلین اور شیعہ احادیث

شیعوں کو بھی اس کا اقرار ہے چنانچہ اصولِ اربعہ میں سے الاستبصار ص ۶۶ ج ۱ کی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں وضو کرنے بیٹھا۔ جب میں وضو کرنے لگا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم تشریف لے آئے تو مجھ سے کہا کلی کرو، ناک میں پانی چڑھاؤ، مسواک کرو، میں نے تین مرتبہ یہ کام کرکے منہ دھویا پھر آپؐ نے فرمایا دو دفعہ دھونا بھی کافی ہو سکتا ہے پھر میں نے بازو دھوئے اور سر کا مسح دو مرتبہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا ایک مرتبہ کافی ہو جاتا ہے۔ وغسلت قدمی فقال لی یا علی خلل بین الاصابع لا تخلل بالنار "میں نے دونوں پاؤں دھوئے پھر حضورؐ نے مجھے کہا پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو (اسے چھوڑ کر گویا) آگ سے انگلیوں کا خلال نہ کرو۔"

شیعہ مؤلف طوسی نے یہ کتاب اس لیے لکھی ہے کہ جتنی یہ صحیح حدیثیں کتب شیعہ میں جمہور اہلِ اسلام کے مطابق ہیں اور شیعہ کے بناوٹی مذہب کے خلاف ہیں ان کی تاویل کی جائے یا تقیہ کی بھینٹ چڑھائی جائیں۔ یہاں بھی مطابق قرآن اور مطابق اہلِ اسلام واہل السنت اس صحیح حدیث

کو وہ تقیہ کی نذر کرتے ہیں، لیکن جب حدیث صحیح ہے تو تقیہ کا عذر باطل ہے۔ حضرت زید بن علی بن حسین بن علیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے۔ اہلِ بیتؓ کا یہ سلسلۃ الذہب حق گو اور راست کردار تھا۔ ان کی بات کو ہم خواہ مخواہ، خوف اور ڈر کے مارے خلافِ واقعہ اور جھوٹ بتائیں بہت ہی لایعنی اور گمراہ کن بات ہے۔

۲۔ کتاب کافی واستبصار میں امام جعفر صادقؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال اذا نسیت فغسلت ذراعیک قبل وجھک فاعد غسل وجھک ثم اغسل ذراعیک بعد الوجہ فان بدأت بذراعک الایسر قبل الایمن فاعد غسل الایمن ثم اغسل الایسر وان نسیت مسح راسک حتی تغسل رجلیک فامسح راسک ثم اغسل رجلیک۔

امام جعفرؒ نے فرمایا جب تو بھول جائے اور چہرے سے پہلے بازو دھو بیٹھے تو دوبارہ منہ دھو پھر بازو دھو اور اگر تو بھولے سے بایاں بازو دائیں سے پہلے دھو بیٹھا تو دائیں بازو کو پہلے دھو پھر بائیں کو دھو اور اگر سر کا مسح بھول جائے اور پاؤں دھو بیٹھے تو سر کا مسح کر پھر اپنے دونوں پاؤں دھولے۔

(فروع کافی ص ۳۵ ج ۱ مطبوعہ تہران، استبصار ص ۶۸ ج ۱)

۳۔ عن ابی عبد اللہ فی الرجل یتوضأ الوضوء کلہ الا رجلیہ ثم یخوض الماء بھما خوضا قال اجزأہ ذلک فھذا الخبر محمول علی التقیۃ۔ (الاستبصار ص ۶۵ ج ۱)

امام صادقؒ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سارا وضو کرے مگر پاؤں کو دھونے سے پہلے پانی میں ڈبو دے تو اس کا وضو درست ہوگا۔ یہ حدیث تقیہ پر محمول ہے۔ (سبحان اللہ م)

معلوم ہوا کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے اگر پانی میں پاؤں ڈبو دے تو غسل کا مفہوم اور فرضیت ادا ہوجاتی ہے۔ اگر ہاتھ سے مسح ہی کرنا ضروری ہوتا تو امام یہ فتویٰ نہ دیتے کہ پاؤں ڈبو دینے سے وضو درست ہوگیا بلکہ مسح کا الگ حکم دیتے جیسے اب شیعہ دھونے کے بعد مسح کرتے ہیں۔

۴۔ عن علی قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم لا یغسلن احدکم باطن رجلہ الیسریٰ بیدہ الیمنیٰ۔ (الاشعثیات ص ۱۹ باب کراھۃ غسل باطن الرجل الیسریٰ بالید الیمنیٰ)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ کوئی شخص اپنے بائیں پاؤں کا تلوا اپنے دائیں ہاتھ سے ہرگز نہ دھوئے۔

معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مذہب پاؤں دھونا ہے اور دایاں ہاتھ بایاں پاؤں دھونے میں استعمال نہ کرے۔

۵۔ بسندہ عن علی فی رجل یصیبہ وثیٌ او کسر فیجبر یدہ او رجلہ فتیوضأ ویغسل ما استقبل من الجبائر ولیمسح علی العصائب۔
(باب المسح علی الجبائر الاشعثیات ص۲۰)

حضرت جعفرؒ نے اپنی سند سے حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ اس شخص کے متعلق نقل کیا ہے کہ جس کو کوئی زخم پہنچے یا ہڈی ٹوٹ جائے اور وہ ہاتھ پاؤں پر پٹی یا لکڑی باندھے تو وہ وضو کرتے وقت لکڑی کا سامنا دھوئے اور پٹی پر مسح کرے۔

یہ روایت مجبوری کی صورت میں بھی پاؤں دھونے اور پٹی پر مسح کی پابندی بتا رہی ہے۔ تو عام حالات میں ہاتھ اور پاؤں کا دھونا وضو میں کیوں فرض نہیں؟

۶۔ ان علیا قال اذا توضأت فلا علیک بای رجلیک بدأت وبای یدیک بدأت۔ (ایضاً)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تو وضو کرے تو کوئی حرج نہیں۔ دونوں پاؤں کو دھونا شروع کرے یا دونوں ہاتھوں کو پہلے دھوئے۔

پتہ چلا کہ وضو میں ترتیب فرض نہیں۔ تقدیم و تاخیر ہو جائے تو وضو ہو جاتا ہے۔ اب پاؤں اور ہاتھوں کا یکجا ذکر دونوں کا فریضہ دھونا بتاتا ہے۔

۷۔ اسی کتاب کے باب غسل الرجلین میں ہے:

عن جدہ جعفر بن محمد عن ابیہ ان علیا کان یقرء وامسحوا برؤسکم وَاَرْجُلَکُمْ الی الکعبین۔

امام موسیٰؒ اپنے داداؤں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کو لام کی زبر اَرْجُلَکُمْ کے ساتھ پڑھتے تھے کہ تم اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

قال ابو عبد اللہ جعفر بن محمد فمن ثقل فھو غسل القدمین ومن خفف وقرء اَرْجُلِکُمْ فانما ھو مسح علی القدمین۔ (الاشعثیات ص۳۵ مع قرب الاسناد)

امام جعفرؒ نے فرمایا جو بھاری کام کرے (اصل حکم عزیمت پر چلے) تو پاؤں دھوئے اور جو سہولت کے لیے موزے پہنے تو لام کے زیر کے ساتھ پڑھ کر پاؤں پر مسح کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ حضرت علیؓ و اہلِ بیتؓ کی قرأت لام کی زبر کے ساتھ ہے اور پاؤں دھونا فرض ہیں۔ امام صادقؒ نے بھی اسی کو اولیت اور ترجیح دی ہے۔ تاہم جر والی قرأت کا محل بھی بتا دیا ہے کہ جو شخص آسانی چاہے تو موزے پہن کر پاؤں پر مسح کر لیا کرے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اہلِ سنّت و جماعت کا اسی پر عمل ہے وہ لام کی زبر کے ساتھ اکثر قاریوں کی متواتر قرأت کی وجہ سے غسلِ رجلین فرض کہتے ہیں اور ایک جر والی قرأت کو موزوں پر مسح کی دلیل بناتے ہیں۔ گویا موزوں پر مسح کتاب و سنّت سے ثابت ہے۔

حضرت شریح بن ہانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا:

فقال جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ ایّام ولیالیھن للمسافر ویومًا ولیلۃ للمقیم۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۵ ج ۱)

تو آپ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن اور تین راتیں مسافر کے لیے اور ایک دن اور ایک رات مقیم کے لیے مدت مقرر فرما دی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دین اگر رائے سے ہوتا تو اوپر کے بجائے موزوں کے نیچے مسح بہتر ہوتا مگر میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔ (ابوداؤد ص ۲۲ ج ۱، دارمی، مشکوٰۃ ص ۵۴)

شیعہ روایات پر ایک نظر

جب کتبِ فریقین میں قرآن کریم، احادیثِ نبویؐ اور عملِ مرتضویؓ و اہلِ بیتؓ سے پاؤں کا دھونا فرض ثابت ہو چکا تو اصولاً مذہب اہلِ سنّت کی صداقت ظاہر ہُوئی اور شیعوں پر اتمامِ حجت کا فرض ادا ہو گیا۔ اگرچہ ہم شیعوں کی مسح رجلین کے متعلق متعارض روایات کو کوئی درجہ نہیں دیتے۔ کیونکہ جھوٹے مذہب میں ایک دوسرے کی ضد اور متعارض روایات ہوتی ہیں جن سے وہ حسبِ موقع کام چلاتے ہیں تاہم اصُول جرح و تعدیل کی روشنی میں ان روایات کو ہم مختصراً بے اعتبار، ضعیف اور ناقابلِ حجت کہتے ہیں:

۱۔ وہ قرآن کے مخالف ہیں اور قرآن کے مخالف روایت گو صحیح ہی کیوں نہ ہو، مردود ہوتی ہے۔

خود مشتاق رافضی لکھتا ہے کہ جو قرآن کے خلاف ہو وہ سنّتِ نبوی نہیں ہے۔ کیونکہ حضورؐ ہرگز قرآن کی مخالفت نہیں کر سکتے لہٰذا ایسی احادیث ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتی ہیں جو قرآن کے خلاف ہوں۔

(فروعِ دین ص ۱۳-۱۴)

اعتقادیہ شیخ صدوق میں ہے :

وکل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو باطل۔ — جو حدیث کتاب اللہ کے مطابق نہ ہو وہ باطل اور جھوٹی ہے۔

۲- درج ذیل تفصیل کے مطابق ان کے راویوں پر بھی کلام ہے :

ا۔ الاستبصار طوسی میں مسح کی دو روایتیں ہیں۔ پہلی میں سالم راوی مجہول ہے۔ فہرست تنقیح ص ۷۰-۷۱ میں اس نام کے ۳۲ راوی ہیں۔ صرف دو ثقہ، دو حسن، باقی سب مجاہیل اور ضعاف ہیں۔

ایک روایت میں غالب مولیٰ ہذیل بھی مجہول ہے۔ تنقیح ص ۱۲۰ کے ۱۲ ناموں میں سے صرف ایک ثقہ وحسن کے سوا سب ضعیف ہیں۔ شیعوں پر لازم ہے کہ اگر وہ ثقہ ہیں تو صحیح نسب وتعارف کے ساتھ ثابت کریں کہ واقعی یہی دو ثقہ رجال ان احادیث کے راوی ہیں ورنہ مجہول اور غیر معتبر ہی سمجھے جائیں گے۔

ب۔ شیعہ کے ہاں سب سے معتبر اور مفصل کتاب کافی ہے اس کے حصہ فروع باب مسح الرأس والقدمین میں گیارہ روایتیں ہیں جو سب ناقابلِ استدلال ہیں۔ قرآن کے مقابل وہ دیوار پر دے مارنی چاہئیں۔

پہلی سند میں معمر بن عمر ہے کسوابقہ یعنی پہلے راویوں کی طرح اما کی مجہول ہے۔

(فہرست تنقیح ص ۱۵۲، تنقیح المقال ص ۲۳۴ ج ۳)

دوسری سند میں ابنِ ابی عمیر مجہول ہے اور محمد بن مسلم بھی ہے جسے امام صادقؒ نے دین میں شک کرنے والا تباہ حال بتایا ہے۔ (تنقیح ص ۱۸۶ ج ۳)

تیسری سند میں مرکزی راوی زرارہ بن اعین ہے جو اگرچہ شیعہ کا بڑا راوی ہے مگر امام صادقؒ نے اسے کذاب اور ملعون بتایا ہے۔ (رجال کشی ص ۹۸ ج ۱)

چوتھی روایت میں محمد بن ابی نصر صاحب الزال ہے۔ مامقانی اسے مہمل بے کار کہتے ہیں۔

(فہرست تنقیح ص ۱۰)

پانچویں روایت میں انخس فی حسن رای الحسن یہ مجہول ونامعلوم ہے۔ نیز یہ روایت

غسل کی مؤید ہے۔ مسح میں صریح نہیں۔

چھٹی روایت میں حکم بن مسکین ہے۔ توثیق وعدالت سے محروم ہے۔ شہید ثانی اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ جرح کا نہ ہونا کافی نہیں، توثیق کا ہونا ضروری ہے۔ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔
(تنقیح المقال ص ۳۶۰ ج ۱)

ساتویں روایت میں محمد بن مروان ذہلی بصری ہے جو امامی مجہول ہے۔ (تنقیح المقال ص ۱۸۲ ج ۳) پر ہے مجھے اس کی اتنی خوبی کا بھی علم نہیں جو اسے حسن درجے کے راویوں میں شمار کرائے۔

آٹھویں روایت میں غسل اور مسح دونوں کا ذکر ہے۔ جو زرارہ سے مروی ہے۔ امام جعفرؒ نے فرمایا ہے "اپنے دین میں شک کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ جن میں زرارہ، بریدہ، محمد بن مسلم اور اسمٰعیل جعفی (شیعہ کے مرکزی چار راوی) ہیں۔ (تنقیح المقال ص ۱۸۶ ج ۳)

نویں روایت کے راویوں کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

دسویں روایت میں قاسم بن محمد بن سلیمان مہمل ہے۔ (فہرست تنقیح)

گیارھویں روایت میں مسح نعلین کا ذکر ہے۔ سنی وشیعہ میں سے جوتوں پر مسح کا کوئی قائل نہیں روایت میں صراحت ہے: ولم یدخل یدہ تحت الشراک کہ حضرت علیؓ نے مسح اوپر کیا۔ تسمہ کھول کر اندر پاؤں پر نہیں کیا۔ اس سے تو موزوں پر مسح ثابت ہو گیا۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ جس کے شیعہ منکر ہیں وہی ان کی کتب سے ثابت ہے۔

ج: من لا یحضرہ الفقیہ کی مسح کے متعلق صحیح باسند اور صریح روایت کا ہمیں علم نہیں۔

یہ تو ان کی اپنی روایتوں کا حال ہے جن کی وجہ سے قرآن کے مخالف ہو کر وہ مسح رجلین کے قائل ہوئے۔ ایک جر والی قرأت کو علماء اسلام نے جر جوار پر محمول کیا ہے۔ جس کی تشریح "ہم سنی کیوں ہیں؟" میں ہم کر چکے ہیں۔

جر جوار کی بحث

مزید وضاحت یہ ہے کہ جر جوار کو علامہ سیبویہ، اخفش اور ابو البقاء وغیرہ تمام معتبر نحویوں نے جائز قرار دیا ہے۔ یہ نعت میں بھی اور عطف میں بھی درست ہے۔ خود قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

نعت اور صفت کی مثال عَذَابُ یَوْمٍ اَلِیْمٍ کہ الیم (دردناک) دراصل عَذَابُ

مرفوع کی صفت ہے لیکن یوم کے پڑوس کی وجہ سے الیم مجرور ہے۔ عطف کی مثال یہ ہے کہ امام کسائیؒ اور امام حمزہؒ کی قرأت میں اور امام عاصمؒ سے مفضل کی روایت میں وَحُورٍ عِينٍ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (واقعہ ع ۱)۔ (خوب صورت موٹی آنکھوں والی عورتیں چھپے موتیوں کی مانند) مجرور آیا ہے۔ حالانکہ واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ. بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ (کہ اہلِ جنت کی خدمت میں سدا رہنے والے لڑکے، کٹورے اور جگ لے کر گھومتے پھریں گے۔) مرفوع پر ہے کہ اور خوب صورت عورتیں جنتی حوریں بھی ان کے پاس گھومتی پھریں گی۔ باکواب و اباریق مجرور پر نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب (لڑکے حوروں کو اٹھاتے پھریں گے) صحیح نہیں بنتا۔

عربیت کے مشہور شاعر نابغہ کا یہ شعر بھی عطف میں جرِّ جوار کو جائز بتاتا ہے۔

لم یبق الا اسیرٌ غیر منفلتٍ وموثقٍ من عقال الاسر مکبولِ

صرف ایک قیدی باقی رہا جو کھسک نہیں سکتا قید کی زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے اور بیڑیاں اس کو لگی ہوئی ہیں۔ موثق اور مکبول مجرور ہیں منفلتٍ کے پڑوس کی وجہ سے ورنہ معنیٰ کے اعتبار سے مرفوع ہیں کیونکہ ان کا عطف وتعلق غیرُ کے ساتھ ہے یعنی یہی جکڑا ہوا اور بیڑیوں میں بندھا ہوا قیدی باقی ہے جو چھوٹ نہیں سکتا۔ اسی لیے علماء عربیت اور ائمہ لغت نے اسے جائز کہا ہے کہ قرآن مجید اور بلغاء کے کلام میں وہ استعمال ہوا ہے۔ علامہ زجاج کا نفی کرنا تتبع و تلاش کا قصور ہے۔ نیز یہ شہادت بر نفی ہے اور نفی کی شہادت قبول نہیں ہے کہ کلام بلغاء میں اس کا وجود اسے ختم کر دیتا ہے۔ متن متین والے کا۔ المغنی اور الفقیر کے حوالے سے نفی کرنا بھی بے خبری پر مبنی ہے۔ بالفرض والتسلیم ارجلکم کا عطف وجوھکم پر نہ مانا جائے اور برؤسکم پر ہی اصرار کیا جائے۔

تو اہلِ سنت کے نزدیک تطبیق اور صحتِ کلام کی دو صورتیں ہیں (جن کی وضاحت آرہی ہے۔) اور شیعہ کے ہاں غسل پر عطف کی صورت (اکثر قاریوں کی نصب سے قرأت) میں توجیہ اور تطبیق کی کوئی صورت نہیں کیونکہ وہ دھونے کے قائل ہی نہیں۔ مشتاق لکھتا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ نہ تو پاؤں کو دھونا جائز ہے اور نہ ہی موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔" (فروعِ دین، ص ۱۰۷)

اہلِ سنّت کی دو تطبیقیں ہیں:

۱۔ مسح سے مراد ہاتھوں سے پانی ڈالنا اور ملنا ہیں۔ یہ غسل کو چاہتا ہے۔ ابوزید انصاری اور لغت والوں نے تصریح کی ہے۔

المسح فی کلام العرب یکون غسلا یقال للرجل اذا توضاء تمسح ویقال مسح اللہ مابک ای ازال عنک المرضی ویقال مسح الارض المطر۔ (مصباح اللغات جلد پر ہے تمسح بالماء مس الماء غسل کیا)

عربی زبان میں مسح بمعنی دھونا بھی آیا ہے۔ کہا جاتا ہے جب آدمی وضو کرے کہ اس نے مسح کیا اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تجھ سے بیماری کو دھودے یعنی دور کردے اور کہا جاتا ہے بارش نے زمین کو دھو دیا۔

اگر کہا جائے کہ امسحوا برؤسکم میں تو یہ معنی نہیں لیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہاں امسحوا ارجلکم مقدر مان کر مسح کا معنیٰ تر کرنا اور دھونا بھگونا مراد لیں گے تو معنیٰ کے تعدد میں مضائقہ نہیں۔

امامیہ میں سے شارح زبدۃ الاصول اور ماہر عربیت نے حقیقت و مجاز کے جمع کی مثال یہ آیت پیش کی ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ۔ (نساء، پ ۵، ع ۴)

نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ تاوقتیکہ جان لو کہ تم کیا کہتے ہو اور جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ بجز راہ گذرنے کی مجبوری کے۔

تو ولا جنبًا کا عطف الصلوٰۃ پر ہے۔ معطوف علیہ صلوٰۃ کا حقیقی معنیٰ ارکان نماز کی شکل ہے اور معطوف (مقدر صلوٰۃ) کا معنیٰ جائے نماز یعنی مسجد ہے۔

۲۔ اور برؤسکم کے ساتھ متعلق مان کر غسل کا معنیٰ لینا کلامِ عرب کے مطابق ہے۔ قاعدہ عربیت یہ ہے۔

اذا اجتمع فعلان متقاربان فی المعنیٰ ولکل منہما متعلق جاز حذف احد ھما وعطف متعلق المحذوف علی المذکور کانہ متعلقہ کما فی قول لبید بن

جب قریب المعنیٰ دو فعل اکٹھے ہوں ہر ایک کا الگ الگ متعلق ہو تو ایک کو حذف کرنا اور محذوف کے متعلق کا مذکور پر عطف کرنا جائز ہے گویا وہی اس کا متعلق ہے جیسے لبید بن ربیعہ

ربیعۃ العامری:

فعلیٰ فروع الایھقان واطفلت
بالجلہتین ظباءھا ونعامھا
ای باضت ومنہ[۲] اذا ما
الغانیات برزن یوما
وزججن الحواجبا والعیونا
ای کحلن العیون
ومنہ[۳] کان اللہ یجدع
انفہ وعینہ۔ ومنہ[۴]
علفتھا تبنا وماء باردًا۔
ای سقیتھا۔

(تحفۃ الاثنیٰ عشریہ ص۶۳، اردو کید ہفتم)

عامری کہتا ہے۔

وہ بارش جنگلی ہالوں کی شاخوں پر غالب آگئی (یعنی وہ اُس میں ڈوب گئیں۔) اور دونوں کناروں پر ہرنیوں اور شتر مرغیوں نے بچے نکالے ہیں۔ (یعنی انڈے دیئے ہیں کیونکہ شتر مرغی بچے نہیں دیا کرتی)۔ ۲۔ وہ گانے والی حسین عورتیں جب نکلیں اور اپنے ابروؤں اور آنکھوں کو برچھیاں بنایا۔ (یعنی آنکھوں کو سرمہ لگایا) ۳۔ گویا کہ اللہ نے اس کی ناک اور آنکھ کاٹ ڈالی۔ (یعنی آنکھ پھوڑ ڈالی۔) ۴۔ میں نے اونٹنی کو گھاس اور ٹھنڈا پانی کھلایا۔ (یعنی پلایا) یہ اردو محاورہ بھی ہے روٹی پانی کھایا۔

مشاق کے پیش کردہ حوالہ جات پر ایک نظر:-

کتبِ اہلِ سنّت کی جن عبارات سے مطلب برآری کی سعی ناتمام کی گئی ہے ان کی حقیقت یہ ہے:-

ا۔ کہ غیر مقلدین کے حوالہ جات اور تحقیقات ہم پر حجت نہیں۔ یہ لوگ آزاد منش ہیں۔ اجماعِ امّت تک کی مخالفت کر جاتے ہیں۔ ان کی استدلالی اپج انفرادیت اور تشیع کی آئینہ دار ہوتی ہے لہٰذا تنہا ان کی نقل یا استدلال قابلِ اعتماد نہیں ہوتا۔

ب: تفسیر امام رازیؒ کے حوالہ میں زبردست خیانت کی ہے۔ انھوں نے شیعوں کے استدلالات نقل کر کے آگے جوابات دیئے ہیں۔ یہ جوابات کو ہضم کر گئے اور استدلال کو علامہ کی اپنی تحقیق بتا کر اہلِ سنّت پر الزام قائم کر دیا۔ فوا اسفا۔

علامہ رازیؒ اپنی تفسیر کبیر ص۱۶۲ جز ۱۱ مطبوعہ بیروت مقام ہذا پر لکھتے ہیں:

واعلم انہ لا یمکن الجواب عن

تم جان لو کہ اس کا جواب دو طرح ممکن ہے

هٰذا الامر وجهين الاول ان الاخبار الكثيرة وردت بايجاب الغسل والغسل مشتمل على المسح ولا ينعكس فكان الغسل اقرب الى الاحتياط فوجب المصير اليه وعلى هٰذا الوجه يجب القطع بان غسل الرجلين يقوم مقام مسحهما والثاني ان فرض الرجلين محدود الى الكعبين والتحديد انما جاء في الغسل لا في المسح ۔

۱۔ بہت سی احادیث صحیحہ (مرفوعہ، موقوفہ) غسل کو واجب قرار دیتی ہیں اور دھونا مسح (ہاتھ پھیرنے) کو شامل ہے اور اس کا اُلٹ نہیں تو دھونا ہی اقرب الی الاحتیاط ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا (اور مذہب بنانا) واجب ہے اور اس وجہ سے یقیناً کہا جائے گا کہ پاؤں کا دھونا مسح کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ ۲۔ پاؤں دھونے کی ٹخنوں تک حد بندی کی گئی ہے اور حد بندی دھونے میں ہوتی ہے مسح میں نہیں ہوتی۔

پھر جو شیعوں کی طرف سے یہ جواب نقل کیا ہے کہ ٹخنوں سے مراد وہ اندرونی ہڈی ہے جو قدم کے جوڑ کے نیچے ہوتی ہے (تو حد بندی صحیح ہے)۔ ہم کہتے ہیں یہ ظاہر عرف و لغت کے بھی خلاف ہے اور کعبین کے ترجمہ کے بھی، کیونکہ تمام لوگ پاؤں کے دو ٹخنے مانتے ہیں، جو کناروں پر ظاہر ہیں اور جوڑ کے نیچے کی ایک ہڈی کو کوئی بھی نہ دیکھتا ہے، نہ ٹخنے مانتا ہے تو مسح ٹخنوں سمیت نہیں ہو سکتا، دھونا ہی ہو سکتا ہے۔

پاؤں دھونے پر صحابہؓ و تابعین کا اجماع ہے

ج: پھر پیش کردہ تمام حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، آپ کے شاگرد عکرمہؒ اور شعبیؒ مسح رجلین کے قائل تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور محمد باقرؒ مسح کرتے تھے۔

ہماری گزارش یہ ہے کہ رافضی قسم کے لوگوں نے روایتیں بنا کر اور خوب پروپیگنڈہ کر کے ان اکابر کے سیدھے سادے عمل کو متعارض اور مخالف قرآن بتانے کی سعی ناشکور فرمائی ہے۔ ورنہ تفسیر طبری سے، جس کا حوالہ یہاں مشتاق رافضی نے دیا ہے۔ سب سے پہلے مستند تفسیری روایات حضرات صحابہؓ و تابعینؒ سے یہ مروی ہیں:۔

۱۔ حارث اعور حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اغسلوا الاقدام الى الكعبين — ٹخنوں تک اپنے پاؤں وضو میں دھوؤ۔

۲۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے وارجلکم الی الکعبین (کہ ٹخنوں تک پاؤں

دھوؤ) آیت پڑھی اور حضرت علیؓ نے سنی جب آپ لوگوں کے فیصلے کر رہے تھے تو فرمایا وارجلکم اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے (یعنی ارجلکم پہلے لفظ اغسلوا کے تحت ہے اور ذکر میں ترتیب کی وجہ سے مؤخر ہے۔)

۳۔ بروایت وکیع از حسین بن علی شیبان سے مروی ہے۔ فرمایا میرے ہاں یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے وارجُلَکم زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔

۴۔ حضرت علیؓ نے حارث سے کہا: پاؤں ٹخنوں تک دھویا کر۔"

۵۔ عبد خیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا آپ نے وضو کیا اور قدموں کو اوپر سے دھویا اور فرمایا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا تو پاؤں کو نہ دھوتا۔

غسل رجلین کا یہی عمل مرتضویؓ ہم کتبِ شیعہ سے بھی نقل کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اوائل ائمہ کا یہی عمل ہے تو حضرت باقرؒ اس کے خلاف کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ لہٰذا ان کی طرف مسح کی نسبت شیعہ اپنی کتب میں کریں یا اہلِ سنّت کا حوالہ بتائیں، سب جعلی کاروبار ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے ابتداءً مسح سمجھا تھا مگر پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کا جب عمل معلوم ہوا تو غسلِ رجلین کے ہی قائل ہوئے اور اسی پر فتویٰ دیا۔ تفسیر طبری کی روایات ملاحظہ ہوں۔

۶۔ حضرت عکرمہؒ ابن عباسؓ سے راوی ہیں کہ آپ نے وامسحوا برؤسکم وارجلکم نصب کے ساتھ پڑھا اور فرمایا بات دھونے پر لوٹی ہے۔

۷۔ ابنِ وکیع از ابوسفیانؓ اور وہ خالدؒ سے راوی ہیں کہ (ابنِ عباسؓ کے شاگرد) حضرت عکرمہؒ نے یہی کچھ فرمایا ہے۔

۸۔ سُدّی کہتے ہیں کہ آیت وضو میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی پاؤں دھونے کا حکم فاغسلوا پہلے ہے اور دھوئے آخر میں جاتے ہیں۔

۹۔ ہشام عروہؒ سے اور وہ اپنے باپ زبیرؓ سے راوی ہیں کہ وارجُلَکم بے حکم

غسلِ رجلین کا ہے۔

۱۰۔ حمادؒ ابراہیم نخعیؒ سے راوی ہیں کہ ارجلکم فاغسلوا کا مفعول ہے۔ بات دھونے پر لوٹتی ہے۔

۱۱۔ زر بن حبیشؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے راوی ہیں کہ وہ ارجلکم زبر کی قرأت کرتے تھے۔

۱۲۔ شریک اعمش سے راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد، ارجلکم زبر سے پڑھتے، اور پاؤں دھوتے تھے۔

۱۳۔ مجاہد (شاگرد ابنِ عباسؓ) سے مروی ہے کہ انھوں نے ارجلکم إلی الکعبین زبر سے پڑھا اور کہا بات دھونے کی طرف لوٹتی ہے۔

۱۴۔ ضحاک (شاگرد ابنِ عباسؓ) نے کہا۔ پاؤں کو وضو میں خوب دھویا کرو۔

۱۵۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا ارجلکم سے کیا مراد ہے فرمایا صرف دھونا واجب ہے۔ مسح جائز نہیں، پاؤں کو دھویا جائے، مسح نہ کیا جائے۔

۱۶۔ عبدالملک عطاء بن ابی رباحؒ (شاگرد ابنِ عباسؓ) نے فرمایا: میں کسی کو نہیں جانتا کہ وہ پاؤں پر مسح کرتا ہو۔

۱۷۔ ابو قلابہؒ کہتے ہیں ایک شخص نے نماز پڑھی اس کے قدموں پر ناخن کے برابر جگہ خشک تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دوبارہ وضو کرو اور نماز پڑھو۔

۱۸۔ حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا پانی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔ (خشک چھوڑ کر) آگ کا خلال نہ کرو۔

۱۹۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو وضو میں پاؤں دھوتے دیکھا تو فرمایا: "مجھے دھونے کا ہی حکم ملا ہے۔"

۲۰۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک دن وضو کرتے دیکھا تو فرمایا: "پانی انگلیوں میں بھی پہنچاؤ۔"

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وضو کرتے تو پاؤں دھوتے۔ پھر انگلیوں میں خلال کرتے تھے۔

۲۲۔ میں (ابراہیم نخعی) نے اسودؒ تابعی سے پوچھا: کیا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں دھوتے تھے؟ اس نے کہا: "جی ہاں! خوب دھوتے تھے۔"

۲۳۔ سب صحابہؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے حضورؐ کو پاؤں دھوتے دیکھا ہے۔ حضورؐ کے

سب سے زیادہ نزدیک مغیرہ بن شعبہؓ تھے۔

پھر علامہ طبری بعض آثار مسح رجلین کے نقل کر کے یوں تطبیق دیتے ہیں:

والصواب من القول عندنا فی ذلک ان اللہ امر بعموم مسح الرجلین بالماء فی الوضوء کما امر بعموم مسح الوجہ بالتراب فی التیمم۔ فاذا فعل ذلک المتوضیٔ کان مستحقا اسم ماسح غاسل۔ (تفسیر محمد بن جریر طبری ج ۴ پ ۶ ص ۸۱، ص ۸۲، ص ۸۳)

ہمارے نزدیک ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پانی کے ساتھ پاؤں کو پورا اور گرنے کا دہاتھ سے مَل کر حکم دیا ہے جیسے تیمم میں مٹی کے ساتھ منہ کو خوب ملنے کا حکم دیا ہے۔ جب وضو کرنے والا یہ کام کرے گا تو اسے ماسح اور غاسل دونوں ناموں سے پکارا جائے گا۔ (تو ہر شخص ہاتھ سے پاؤں دھو کر امرِ قرآنی پر عمل کرتا ہے۔)

ابن جریر طبری کا مذہب

یہ وہی امام طبری المتوفی ۳۱۰ھ ہیں جنہیں اہل بغداد نے تشیع سے متہم کر کے اپنے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا تھا گو شیعہ نہیں ہیں تاہم اپنی تاریخ یا تفسیر میں ایسی کچی پکی روایات خوب نقل کر دیتے ہیں جو شیعہ کی موضوع یا مشہور کی ہوئی ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طبری مسح رجلین کے قائل تھے جیسے مشتاق نے بھی کہا ہے لیکن یہ ان پر اتہام ہے وہ غسل رجلین کے ہی قائل تھے۔ مسح کے بعض غیر مستند آثار کو نقل کر کے جو فیصلہ دیتے ہیں وہ پاؤں دھونے کا ہی ہے۔ مسح کے آثار کی توجیہ یوں کر رہے ہیں کہ ہاتھوں کے ذریعے پانی سے پاؤں کو اتنا ملو اور تر کرو کہ بالکل استیعاب ہو جائے۔ جیسے تیمم میں بازوؤں اور چہرے پر مٹی والا ہاتھ اتنا ملا جائے کہ استیعاب ہو جائے۔ کوئی جگہ باقی نہ رہے جب ہاتھ ملنے سے پاؤں پر پانی سے استیعاب ہو گا اور کوئی جگہ تر ہو جانے سے نہ بچے گی تو یہی غسل کا مفہوم ہے اس سے صرف وہ صورت نکل جاتی ہے۔ جب پاؤں کو ہاتھ لگائے بغیر پانی میں ڈبو دیا جائے۔ لیکن الاستبصار ص ۶۵ ج ۱ سے ہم امام صادقؒ کا فتویٰ نقل کر چکے ہیں کہ اس سے بھی وضو درست ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شیعی استدلال کو طبری سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

د: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کا حوالہ بھی غلط دیا ہے۔ کیونکہ غسل رجلین کی احادیث کے تحت حضرت مُلا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں:

اس حدیث (ویل للاعقاب من النار) میں پاؤں دھونے کے وجوب پر دلیل ہے کہ ان کو بالاستیعاب دھوئے۔ یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ کا عمل تھا..... نیز فرماتے ہیں جس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مختلف مواقع اور مختلف حالتوں میں وضو کا طریقہ نقل کیا ہے وہ سب پاؤں دھونے پر متفق ہیں۔ (مرقاۃ ص ۱۶ ج ۲)۔ علامہ نے مسح رجلین کی کوئی روایت ذکر ہی نہیں کی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے بھی شیعہ وغیرہ کا قول نقل کر کے جمہور کی طرف سے یہ جواب دیا ہے "کہ احادیثِ صحیحہ کے بھی خلاف ہے اور آیت کی قرأتِ نصب کے بھی اور مسح سے مراد غسل ہے۔ کیونکہ غسل مسح کو بھی شامل و متضمن ہے"۔ (فتح الباری ص ۲۷۸، ۲۷۹ ج ۱)

ہماری اس تفصیلی بحث سے ان تمام عنوانات کا جواب ہو گیا جو جناب مشتاق صاحب نے قائم کیے ہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ اور آپ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ دھونے کے قائل ہیں۔ جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسح کے بجائے پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے وبھذا امرتُ سے خدا کا حکم بتایا ہے۔ علامہ عینیؒ نے مسح والی روایت کا رد کیا ہے۔ مذہبِ اہلِ بیتؓ بھی پاؤں کو دھونا تھا، مسح نہ تھا۔ یہ ان کی طرف غلط نسبت ہے۔ اصحابِ رسولؐ اور تابعینؒ کا عمل پاؤں دھونا ہی ہے طبری کی ۲۳ روایات پھر پڑھ لیجیے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کے اس حوالہ سے کہ حضرت علیؓ و ابنِ عباسؓ نے دھونے کی طرف رجوع کر لیا تھا مشتاق صاحب نے مذاق اڑایا ہے کہ کیا وہ پہلے غلط وضو کرتے رہے؟ ہماری عرض یہ ہے کہ حضرت علیؓ تو روزِ اول سے پاؤں دھوتے تھے۔ مسح نہ کرتے تھے جیسے طبری کی چھ روایات شاہد ہیں۔ البتہ حضرت ابنِ عباسؓ نے رجوع کیا تھا۔ تو مجتہد کا سابق فتویٰ و عمل سے رجوع ایسا ہی ہے جیسے کسی حکم کو منسوخ کر کے نئے حکم پر عمل کرایا جاتا ہے۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ منسوخ و مرجوع عنہ پر سابق عمل و فتویٰ غلط تھا۔ مجتہد کا فتویٰ دلیل اور صورتِ مسئلہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ اس کے پہلے عمل کو باطل نہیں کہا جاتا۔ جیسے تحویلِ قبلہ کے مسئلہ میں خدا نے بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں کی مقبولیت کا یوں اعلان فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ — اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان (نمازوں) کو ضائع

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ نہیں کرتا وہ لوگوں پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔

یا حرمتِ شراب کے بعد بے خبروں یا پہلے لوگوں کی بے گناہی کا اعلان فرمایا:

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا۔ (پ ۷ ع ۲)

ایمان و اعمالِ صالحہ والے مسلمانوں پر کوئی گناہ نہیں جو وہ پہلے کھا پی چکے، جب کہ وہ متقی اور مومن نیک اعمال ہیں پھر متقی و مومن ہیں اور پھر مومن متقی اور نیکوکار ہیں۔

موزوں پر مسح

شیعوں کو چونکہ اہلِ اسلام کے ہر متفقہ عمل سے بیر ہے۔ حکم قرآنی پاؤں دھونے سے نفرت کی اور ننگے پاؤں پر مسح شروع کر دیا۔ مگر ان کا ضمیر بھی اس غلط فیصلہ پر مطمئن نہیں۔ اس لیے سب سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں۔ کوئی شیعہ ہم نے دیکھا یا سنا نہیں کہ وہ پاؤں دھوئے بغیر صرف مسح پر اکتفا کرتا ہو۔ اس کے برعکس حالت تخفیف میں موزوں پر مسح کرنا سُنّتِ مشہورہ نبوی ہے۔ ستر اسی صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل نقل فرمایا ہے۔

خبر مشہور یا متواتر سے آیت میں تخصیص درست ہے (اصول الشاشی) اس لیے اہلِ سنّت مسح خفین کے قائل ہوئے۔ جر والی قرأت پر بھی عمل ہو گیا اور مسندِ احمد والی حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ظاہر پر مسح کرتے دیکھا تبھی تو میں کرتا ہوں ورنہ میرا گمان یہ ہے کہ تلووں پر مسح افضل ہوتا اور آپ کا یہ قول مشہور ہے کہ دین اگر صرف عقل کے تابع ہوتا تو موزوں پر مسح نچلی طرف سے کیا جاتا۔

موزہ پہننا انسان کی ایک طبعی ضرورت ہے۔ تہائی یا چوتھائی دنیا کے حصّہ پر موسم سرما میں برف پڑی رہتی ہے۔ پاؤں کو سردی سے بچانا بھی لازمی ہے۔ شریعت کے احکام آسانی اور سہولت پر بھی مبنی ہیں۔ اس لیے موزوں پر مسح کا حکم دے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امّت کو یہ آسانی فراہم کر دی کہ حالت موزہ میں مسح کر لیں۔ جس کی خاص شرائط ہیں۔ محض جرابوں یا کٹے پھٹے موزہ پر مسح درست نہیں۔ اب یہ کس قدر زیغ یا دماغی انقلاب ہے کہ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے ننگے پاؤں پر تو مسح کر لیں لیکن پاک و صاف وضو کی حالت میں پہنے ہوئے موزوں

پر نئے وضو کی حاجت ہیں مسح نہ کریں۔ سردی میں کھول کر ان پر صرف مسح کریں۔

مذہبِ شیعہ کا ہر انفرادی عمل عقل و نقل کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت جعفر صادقؓ سے حالتِ تخفیف میں موزوں پر مسح کا جواز اور جہر والی قرأت کا محل کتبِ شیعہ سے ہم ثابت کر چکے ہیں الغرض وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے اور موزوں پر مسح درست ہے۔ رافضی کا یہ کہنا بالکل جھوٹ ہے کہ "حقیقت یہ ہے نہ تو پاؤں کو دھونا جائز ہے نہ ہی موزوں پر مسح کرنا جائز ہے" کسی تارکِ شریعت ملنگ کا یہ اپنا مذہب ہو تو ہو مگر کتابِ الٰہی، سُنّتِ نبویؐ، عملِ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ، مذہبِ اہلِ بیتؓ و اہلِ سنّت کے بالکل مخالف ہے۔

مُنہ دھونا

وضو میں منہ دھونا فرض قطعی ہے۔ تین دفعہ، یا بقولِ شیعہ دو دفعہ، دھونا مسنون ہے۔ مُنہ کی سطح بیضوی یا گول ہوتی ہے۔ ناک آنکھ کی وجہ سے سطح ہموار نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں ہاتھوں سے منہ پر پانی ڈالا اور ملا جائے تب منہ تر ہوگا۔ ورنہ شیعہ کے بقول صرف سیدھے ہاتھ سے دو یا تین دفعہ دھویا جائے تو اعضا تر ہونے کی بجائے خشک رہ جائیں گے۔ تجربہ شرط ہے۔ اگر تین سے زائد مرتبہ تکلف سے بار بار منہ دھویا جائے تو خلافِ سُنّت ہوگا۔ اگر سنّت کا عدد ملحوظ رکھا جائے تو فرض ادا نہ ہوا۔ اس لیے اہلِ سُنّت حسبِ ضرورت دونوں ہاتھوں سے چُلو بھر کر آہستہ سے مُنہ پر پانی ڈالتے ہیں۔ پھر منہ کو تسلی سے ملتے ہیں تاکہ سُنّت و فرض دونوں بکمال ادا ہو جائیں۔ اگر شیعہ دونوں ہاتھ مل کر دھوئیں، بازو دھوئیں دونوں سے سر اور پاؤں کا مسح کریں۔ بائیں ہاتھ کا استعمال مکروہ نہ ہو، مگر چہرہ دھوتے وقت کراہت یا عدم جواز کی نئی اُپج نکال لیں۔ یہ شریعت میں بے جا مداخلت اور ڈھکوسلہ سازی ہے۔ صرف ایک ہاتھ سے منہ دھونے والی حدیثِ نبویؐ یہ صحیح نہیں ہے یا اتفاق واقعہ ہے۔ آپ نے بایاں ہاتھ استعمال کرنے کی ممانعت نہیں کی ہے۔ بلکہ دونوں ہاتھوں سے منہ کو دھویا ہے۔

ابو داؤد شریف ص 16/1 پر ہے حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ کو فرماتے ہیں۔ کیا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو کر کے نہ بتاؤں؟ پھر وضو کے دوران منہ دونوں ہاتھ سے

دھویا ثم ادخل یدیہ فی الاناء جمیعاً فاخذ بہما حفنۃ من ماء فضرب بہ بہما علی وجہہ۔ (الحدیث) پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے دونوں سے چلو بھرا اور منہ پر ڈالا۔

بازو کہنیوں سے انگلیوں تک دھونا

اپنا الگ تشخص و مذہب جتلانے کے لیے شیعہ نے یہ بھی تکلف فرمایا ہے کہ بازوؤں کو لٹکا کر کہنیوں سے انگلیوں کی سمت، کپڑے پر قیاس کرکے، دھویا جائے۔ حالانکہ ہاتھ کا کہنیوں سے مڑنا اور اونچا نیچا ہونا ایک طبعی عمل ہے۔ دونوں طرح دھونا صحیح ہے۔ قیاس مذہب شیعہ میں درست ہی نہیں تو پھر قرآن و سنّت کے بغیر بلکہ برخلاف یہ پابندی کیوں لگائی جاتی ہے۔ ظاہر قرآن کے تحت ایدیکم الی المرافق۔ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ، پر عمل کیا جائے اور ماء مستعمل کہنیوں سے خود بخود نیچے گرے گا اوپر بازو کو نہیں پہنچے گا تو اس میں کیا خرابی ہے؟ لیکن شیعہ تو طعن یا علیحدہ پسندی کے ہیضہ کے مریض ہیں۔ خدا ان کو صحت دے۔ فتح الباری والے یہ نہیں کہہ رہے کہ انگلیوں سے کہنیوں تک دھونا مکروہ یا ناجائز ہے۔

سر اور پاؤں کا مسح

سر کا مسح نص قطعی سے ثابت ہے برؤسکم کی با مصاحبت کی ہے اگر تبعیض کی ہو تو مطلق سر کا مسح کرنا چاہیئے۔ اب سنّت کی طرف رجوع ہوگا۔ آپؐ نے اکثر و بیشتر پورے سر کا مسح کیا ہے لہٰذا مسنون پورے سر کا مسح ہوا۔ ایک خبر مشہور کے ذریعے ثابت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے صرف ناصیہ پر اکتفا فرمایا۔ بیاناً للجواز تو ہم چوتھائی سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں اور سارے کو مسنون۔ حکم قرآنی وامسحوا پر دونوں صورتوں میں عمل ہو جاتا ہے اور با، مصاحبت و تبعیض کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ فرض قطعی کو اہتمام سے بجا لانا چاہیئے۔ اس لیے مسح سر میں نیا پانی لینا افضل ہے گو پہلے سے تر ہاتھ سے بھی مسح کافی ہے۔ نیا پانی لینے پر شیعہ کا اعتراض کرنا بھی وہی ہیضے کی بیماری ہے۔

اور یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے کہ پاؤں کا دھونا ناجائز کرکے مسح واجب بتایا جائے اور پھر

"ہمارے ہاں اسی بقیہ تری سے دونوں پاؤں کا مسح ٹخنوں تک کیا جاتا ہے۔" (مشتاق) ہاتھوں کی نمی سے ترخا دیا جائے۔ کہنیوں سے انگلیوں تک جب ہاتھوں کو نچوڑ لیا تھا معمولی بقیہ تری سے سر کا مسح ادا ہو گیا اب ہاتھوں پر سوائے نمی یا ٹھنڈک کے تر پانی کی مقدار ہی نہیں تو پاؤں کا فرضِ مسح کیسے ادا ہو گا۔ دراصل شیعہ مسائل ظلمت بعضہا فوق بعض اور اندھیر نگری کا مصداق ہیں۔

کانوں اور گردن کا مسح

شیعوں کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ یہ نہ ہی قرآن سے ثابت ہے نہ عملِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ لہٰذا ایسی بات جو کتاب وسنّت میں موجود نہ ہو اس پر عمل ضروری نہیں ہے۔" کیا آپ نے سابق وضو میں مخالفِ اہلِ سنّت باتیں قرآن وحدیث سے ثابت کی تھیں؟ اگر صرف کتاب وسنّت ہی حجت ہیں؟ تو سنّی بنے رہتے امامیہ اور اثنا عشریہ بن کر تیسرا اصول ومذہب کیوں نکالا؟ کان سر کا حصہ ہیں، مرکزِ سماعت سر میں ہے لہٰذا کانوں کا مسح بھی قرآن کا تقاضا ہُوا۔ گردن پر مسح ہمارے ہاں سنت سے ثابت ہے الگ الگ روایات گو ضعیف ہیں مگر مجموعہ درجہ حسن تک پہنچتا ہے اور فضائل اعمال میں، عقیدہ واصول میں نہیں، اتنا ثبوت عمل کے لیے کافی ہے۔

(بحوالہ شرح نقایہ ص۹۔ فتح المغیث ص۱۲۰، مستدرک حاکم ص ۴۹/۱۲)

گردن پر مسح طبی نقطہ نگاہ سے ہرگز مضرِ صحت نہیں نہ آج تک یہ سُنا کہ کروڑوں میں سے کسی مسلمان کو گردن پر سردی مسح کی وجہ سے لگ گئی ہے۔ گلوبند کا استعمال مسح سے منع نہیں کرتا۔ لہٰذا مسح گردن سے جسمانی ضعف کے لاحق ہو جانے کا مشتاق خطرہ نئی بدعت ہے۔

سردیوں میں پاؤں پھٹ جانے کے امکان میں یہ طبی مشورہ "کہ موسم سرما میں پاؤں کو لپیٹ کر سوؤ کہ سردی پاؤں سے چڑھتی ہے" بے موقع ہے، کیونکہ وہ محض پاؤں دھونے کو سردی کی وجہ نہیں بتاتے۔ پھر حسبِ طبع گرم پانی مل جاتا ہے۔ موزوں کے مسح کی یہی علّت وضرورت شریعت نے بتائی ہے۔ طبی رائے تو مسح موزہ کی دلیل بن گئی۔ اپنی دلیل غضب ہو جانے پر اسے ماتم کرنا چاہیئے۔ اس کے برعکس موسم گرما زیادہ مدت ہوتا ہے۔ دنیا کے اکثر حصے گرم ہیں زیادہ تر لوگوں کے پاؤں گرمیوں میں جلتے ہیں۔ پاؤں دھونا گرمی دور کرنے کا مفت اور قدرتی علاج ہے جو وضو اور پنج وقت نماز کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔